ہمیں یقینِ کامل ہے کہ وہ اسلام کو اسی طرح سمجھے گا، جس کی طرف ہم دعوت دے رہے ہیں۔

ہماری دعوت کے مخاطب

ہماری دعوت جن لوگوں کو پہنچتی ہے اور جن کے کان اس دعوتِ حق سے آشنا ہوجاتے ہیں، ماننے اور نہ ماننے کے اعتبار سے اُن کی چار قسمیں ہیں:

۱- اوّل وہ لوگ جو دعوت کو صحیح سمجھ کر اس کے اصول ومبادی سے اتفاق اور طریق کار کو پسند کرتے ہیں اور اس تحریک سے بالکل مطمئن ہوجاتے ہیں۔ ان حضرات سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اتفاق وتائید اور تعریف وتوصیف کا اظہار دُور دُور سے نہ کریں، بلکہ باضابطہ ہمارے ساتھ تعاون و اشتراک کرکے دینِ اسلام کے بے لوث رضاکاروں کی تعداد بڑھائیں۔ اپنی آوازوں سے داعیانِ حق کی آواز کو قوت اور بلندی فراہم کریں۔ عملی طور پر اس قافلے کا حصّہ بن کر اجتماعیت کو مضبوط بنائیں اور اپنی زندگی میں اسلام کی مرضی کے مطابق تبدیلیاں پیدا کریں۔ اس لیے کہ جس ایمان کی پُشت پر عمل نہ ہو وہ بے معنی ہے، اور جو عقیدہ ایثار وقربانی پر آمادہ نہ کرے وہ بے سود ہے۔

۲- دوسرے وہ لوگ ہوسکتے ہیں جن پر مکمل طور پر دعوت واضح نہیں ہوئی اور اس تحریک میں یا ہمارے قول وعمل میں صداقت کے ساتھ انھیں کچھ خامیاں بھی نظر آتی ہیں۔ ایسے لوگ فی الواقع تذبذب وتردّد میں پڑ جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا ایک قدم آگے بڑھتا ہے تو دوسرا پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ ان حضرات کے سامنے ہم اپنی ذاتی خامیوں کا اعتراف کرتے ہوئے پُرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ قریب آکر ہمارے اجتماعات میں شریک ہوں۔ تمام پہلوؤں سے ہمیں جانچیں اور پرکھیں یا دُور ہی رہیں، مگر جملہ تعصّبات وعقیدتوں سے اور شخصی اغراض وذاتی خواہشات سے بالاتر ہوکر ہمارے لٹریچر کا مطالعہ کرکے دعوت کے اصول ومقاصد اور مرتّبہ دستور پر غور کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ان کا تردّد رفع ہوجائے گا اور وہ مطمئن ہوجائیں گے۔

۳- تیسرے ایسے لوگ ہیں جو اپنی جانی اور مالی کوششیں کسی معاملے میں اس وقت تک صرف کرتے ہی نہیں جب تک یہ نہ دیکھ لیں کہ اس میں انھیں کیا نفع ملے گا، یعنی اُن کی دولت وثروت بڑھ جائے گی یا عزت وشان میں اضافہ ہوگا۔

چنانچہ صرف نفع پر نظر رکھنے والے ان حضرات کو بھی ہم خوش آمدید کہتے ہیں۔ آیئے آپ

نقصان میں نہیں رہیں گے۔ ہمارے یہاں رضاے الٰہی اور جنّت کے حصول کا نفع ہے، اس کے سوا اور کوئی مادی چیز نہیں۔ ہاں، یہ نفع اُس وقت ملے گا، جب آپ نیکیوں کے عمل اور اخلاص کے جذبات پیش کریں گے اور حسبِ مراتب یہاں دینی عظمت وشرافت بھی نصیب ہوگی۔ لیکن مال و زر اور ساز وسامان میں ہم سب بے نوا ہیں، کیونکہ فی الحال جو کچھ جسمانی قوتیں اور دماغی صلاحیتیں ہم رکھتے ہیں، اس کے بارے میں اسی چیز کو سعادت سمجھتے ہیں کہ وہ حق کی راہ میں لگا دیں، جو مالی وسائل و ذرائع ہمارے ہاتھ آئیں وہ سب اسی راہ میں خرچ کرتے رہیں اور صرف اللہ کی رضا اور اُس کی جزا کی اُمید رکھیں: وَهُوَ حَسْبُنَا وَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔

۴- چوتھے وہ لوگ ہیں، جو ہمارے بارے میں طرح طرح کے شکوک وشبہات اور بدگمانیاں پیدا کرتے ہیں۔ ایسے لوگ فریبِ نفس اور شخصی یا گروہی تعصب سے الگ ہوکر سوچنے کا ذہن میں خیال ہی نہیں لاتے۔ ان لوگوں کے بارے میں ہم دُعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں اور اُن کو خیر کی تلقین فرمائے۔

جن لوگوں تک ہماری دعوت پہنچتی ہے ان لوگوں کا غور وفکر کر کے ان چار گروہوں میں سے کسی ایک میں شامل ہو جانا کوئی نہ کوئی معنی رکھتا ہے۔ لیکن محض جمود اور بے حسی کی وجہ سے ہماری باتوں پر کان نہ دھرنا ایک مومن کی شان نہیں ہے۔

اخوان کی تحریک ایک آزمودہ اور تسلیم شدہ دعوت ہے۔ آج مشرق ومغرب میں سیکڑوں دعوتیں اور تحریکات پائی جاتی ہیں، جو اپنے افکار ونظریات کو خوب آراستہ وپیراستہ کر کے پیش کر رہی ہیں۔ کل تک تو نشر واشاعت اور دعوت وتبلیغ کے وسائل و ذرائع صرف خطبوں، اجتماعات اور خطوط تک محدود تھے، مگر آج یہ ذرائع لامحدود ہوگئے ہیں۔ اس لیے ہماری خواہش اور کوشش ہے کہ داعیانِ حق بھی ان تمام لامحدود وسائل و ذرائع کو احسن طریقے سے استعمال میں لائیں، تاکہ شیطان کی نمایندگی کرنے والی تمام باطل تحریکوں کا مقابلہ کرسکیں اور ایثار وقربانی کر کے اچھے ثمرات سمیٹ سکیں۔

اُمید اور بیداری کی لہر

ہم خیر کثیر کی اُمید رکھتے ہیں اور ہم نا اُمیدی کے شکار نہیں ہیں۔ کیونکہ ہم اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہماری کامیابی کی راہ میں یہی نا اُمیدی سب سے بڑی رکاوٹ بنتی ہے۔

پس، جب ہماری اُمید قوی اور حوصلۂ عمل بلند ہوگا تو اسی وقت ہم منزلِ مقصود کو پہنچ سکیں گے۔ چنانچہ نہ تو ہم مایوس ہیں اور نہ مایوسی کو اپنے دلوں میں راہ پانے دیتے ہیں جس پر اللہ کا شکر ہے۔ گردوپیش کی چیزوں سے بددل ہونے کے بجاے یہ ساری چیزیں ہماری حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔

جب آپ کو کسی ایسے مریض کے پاس جانے کا اتفاق ہوتا ہے، جس کی حالت یہ ہوگئی ہو کہ اب وہ نہ بول سکتا ہے اور نہ حرکت کرسکتا ہے تو آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے آخری دن قریب آگئے اور اس کا شفایاب ہونا دشوار اور اس کی بیماری ناقابلِ علاج ہوچکی ہے۔ لیکن جب آپ اس بیمار کی حالت اس کے برعکس پاتے ہیں، یعنی یہ کہ اب وہ کچھ بولنے لگا ہے اور کچھ حرکت کرسکتا ہے تو آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ جلد شفایاب ہوجائے گا اور اس کا ہر قدم صحت و تندرستی کی طرف بڑھے گا۔

مسلم اقوام پر بھی جمود و تعطل کا ایک نہایت تاریک دَور گزرا ہے، لیکن اُن میں اِس وقت زندگی کے تمام گوشوں میں بیداری کی لہر دوڑ رہی ہے اور ان کے احساسات بیدار ہورہے ہیں۔ چونکہ جمود کی بھاری بیڑیاں ابھی یکسر ان کے پیروں سے نکلی نہیں ہیں اور اس پیداشدہ حرکت کو لوگ مختلف راستوں پر لگانا چاہتے ہیں۔ اگر یہ دونوں چیزیں نہ ہوتیں تو اُس بیداری اور حرکت کے بڑے اچھے اثرات ظاہر ہوتے۔ پھر بھی یہ بیڑیاں ہمیشہ باقی نہیں رہ سکتیں۔ زمانہ ہمیشہ یکساں سرگرداں نہ رہے گا بلکہ ایک دن یقیناً یہ سرگردانی، راہ یابی میں تبدیل ہوگی اور اس فکری انتشار کے بعد فکری اتحاد اور سکون کا دور آئے گا: لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ط (الروم ۳۰:۴) ''اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی''۔

یہی وجہ ہے کہ ہم کبھی نااُمیدی کا شکار نہیں ہوئے۔ آیاتِ کریمہ اور احادیث نبویہؐ اور قوموں کو ہلاکت سے بچانے اور اُن کو اُونچا اُٹھانے اور پروان چڑھانے کے سلسلے میں قانونِ قدرت اور سنتِ جاریہ، یہ ساری چیزیں ہمارے حوصلے کو بڑھاتی ہیں اور حقیقی بیداری اور ترقی کے راستے کی طرف راہبری کرتی ہیں۔

سورۂ قصص کی ابتدائی آیات ملاحظہ فرمایئے:

طٰسٓمّٓ o تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ o نَتْلُوْا عَلَیْکَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰی وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ o اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَھْلَھَا شِیَعًا

يَسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَةً مِّنۡهُمۡ يُذَبِّحُ اَبۡنَآءَ هُمۡ وَ يَسۡتَحۡيٖ نِسَآءَ هُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ۝ وَ نُرِيۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَنَجۡعَلَهُمۡ اَئِمَّةً وَّ نَجۡعَلَهُمُ الۡوٰرِثِيۡنَ ۝ وَ نُمَكِّنَ لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَ نُرِىَ فِرۡعَوۡنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوۡدَهُمَا مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَحۡذَرُوۡنَ ۝ (القصص ۲۸:۱-۶)

ط-س-م، یہ کتابِ مبین کی آیات ہیں۔ ہم موسیٰؑ اور فرعون کا کچھ حال ٹھیک ٹھیک تمھیں سناتے ہیں، ایسے لوگوں کے فائدے کے لیے جو ایمان لائیں۔ واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ اُن میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا، اس کے لڑکوں کو قتل کرتا اور اس کی لڑکیوں کو جیتا رہنے دیتا۔ فی الواقع وہ مفسد لوگوں میں سے تھا۔ اور ہم یہ ارادہ رکھتے تھے کہ مہربانی کریں اُن لوگوں پر جو زمین میں ذلیل کر کے رکھے گئے تھے اور اُنھیں پیشوا بنا دیں اور اُنھی کو وارث بنائیں اور زمین میں ان کو اقتدار بخشیں اور ان سے فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو وہی کچھ دکھلا دیں جس کا انھیں ڈر تھا۔

ان آیات کو پڑھیے اور دیکھیے کہ باطل اپنی قوت وطاقت کی وجہ سے کتنی سرکشی اور ظلم وعُدوان کر رہا ہے، اور اپنی شان وشوکت کے نشے میں بدمست ہو کر وہ بھول گیا کہ اللہ اُسے دیکھ رہا ہے، اور جب وہ اللہ کی دی ہوئی طاقت وقوت پر اپنے تئیں نازاں ہوا، تو اللہ نے اس کی کتنی سخت گرفت کی۔ اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ مظلومین کی مدد اور ان بے کسوں اور ستم زدوں کی دست گیری کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ قصرِ باطل بنیاد ہی سے گر پڑا اور حق کی عمارت مضبوط بنیادوں پر قائم ہوگئی اور بالآخر اہلِ حق ہی غالب ہوئے۔ ان آیات اور قرآن کی اس طرح کی دوسری آیات کے بعد اللہ اور اس کے بھیجے ہوئے رسولؐ اور کتاب پر ایمان رکھنے والی اُمت مسلمہ کے لیے کسی طرح کی یاس وناامیدی کی گنجایش باقی نہ رہ گئی۔

آخر کب مسلمان قرآن پاک پر تدبر کریں گے؟ اے کاش!

الاخوان المسلمون آج بھی ان مسلم اقوام کے لیے اللہ کی نصرت وتائید سے نااُمید نہیں ہے۔ اگرچہ بظاہر حالات نہایت ہی ناسازگار ہیں اور راہ میں رکاوٹیں بے شمار ہیں، مگر اسی مشعلِ اُمید کو

لے کر 'اخوان' سرگرمِ عمل و جہاد ہیں، ـــــ واللہ المستعان۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہماری قوم اور دنیا کے سارے مسلمان ـــــ یہ جان لیں کہ اخوان کی دعوت 'پاک' اور 'صاف' ہے اور اس حد تک پہنچ چکی ہے، جہاں اس نے ذاتی مرغوبات اور مطلوبات کو خیر باد کہہ دیا ہے اور دنیاوی فوائد کو ٹھکرا دیا ہے اور اپنی اھواء اور خواہشات کو پسِ پُشت ڈال دیا ہے، اور اُس راستے پر گامزن رہنے کی کوشش کر رہی ہے، جس کی نشان دہی اللہ تعالیٰ نے داعیانِ حق کے لیے کر دی ہے۔

پس، ہم لوگوں سے کچھ نہیں مانگتے۔ نہ تو ہم اُن سے مال و دولت چاہتے ہیں، اور نہ ان سے کوئی اُجرت چاہتے ہیں، اور نہ ہم اُن کے ذریعے اپنی بزرگی اور سرداری کے خواہش مند ہیں، اور نہ اُن سے کسی بدلے اور سپاس گزاری کے طلب گار ہیں۔ ہمارا اجر تو اس ذات وحدہٗ لاشریک کے ذمے ہے، جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔

● **جذبہ:** اسی طرح ہم چاہتے ہیں کہ ہماری قوم یہ جان لے کہ وہ ہمیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ ہمارے لیے یہ زیادہ پسندیدہ ہے کہ اگر ہم فدیے میں دے دیے جائیں اور اس طور سے ہماری قوم کو عزت و غلبہ مل سکے اور اگر اس کے وقار اور سربلندی اور دین و حفاظت کے لیے ہم بدل بن سکیں، تو ہمیں یہ بھی قبول ہے۔ ہم کو مصلحین کے مقام پر اسی جذبے نے کھڑا کیا ہے۔ یہ جذبہ ہمارے دل و دماغ اور احساسات پر حاوی ہے، جس کی وجہ سے ہمارے بستروں کا سکون ہمیں کانٹوں کی طرح کھٹکتا ہے اور ہمارے لیے یہ نہایت ناقابلِ برداشت چیز ہے کہ ہم اپنی قوم کو اس حالت میں گھرا ہوا دیکھیں، اور پھر ذلّت و خواری کے آگے سپر ڈال دیں، یا اس کو گوارا کریں، یا نااُمیدی کے آگے سر جھکا دیں۔ چنانچہ، ہم اللہ کی راہ میں قوم کے فائدے کے لیے اپنے فائدے سے زیادہ کوشش کرتے ہیں۔

لوگو! ہم تو آپ کے بہی خواہ ہیں اور ہم کبھی آپ کے مفاد کے خلاف کام نہ کریں گے۔

● **ہماری سیاست:** اے لوگو! ہم آپ کو پکار رہے ہیں اور قرآن ہمارے دائیں ہاتھ میں ہے اور سنتِ نبویؐ بائیں ہاتھ میں، اور سلف صالحین (جو اُمت مسلمہ کے گلِ سرسبد رہے ہیں) کا نمونۂ عمل ہمارے پیشِ نظر ہے۔ ہم آپ کو اسلام، اُس کی تعلیمات و احکام اور اُس کے دیے ہوئے

ہدایت نامے کی طرف بلاتے ہیں۔ اگر آپ اس کو سیاست کہتے ہیں تو پھر یہی ہماری سیاست ہے۔ اگر ان اُصولوں کی طرف بلانے والا سیاسی قرار دیا جاتا ہے تو سُن لیجیے کہ ہم سب بڑے سیاسی ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ اس کو سیاست کہیں تو جو چاہیں کہہ لیجیے۔ ہم الزامات اور پروپیگنڈے کی یلغار سے نہیں گھبراتے، اگر ان سے ہماری جو مراد اور ہماری منزل ہے، اوجھل نہ ہو۔ پس، ایسا نہ ہو کہ الفاظ کے پردوں میں حقائق چھپ جائیں اور مقصود کے بجائے الفاظ سامنے رہیں اور جوہر کے بجائے غرض پیش نظر رہے۔

اور پھر یہاں اسلام کی سیاست میں دنیا کی بہتری اور آخرت کی دائمی کامرانی کا راز مضمر ہے اور یہی ہماری سیاست ہے۔ اس کے سوا ہم کچھ نہیں چاہتے۔ پس، ہر شخص خود پر اسی سیاست کو حکمراں کرے اور دوسروں کو بھی اس کے لیے آمادہ کرے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو اُخروی عزت آپ کو حاصل ہوگی۔

● **حق**: الاخوان المسلمون کی دعوت عام اور عالم گیر ہے۔ اس کا رشتہ کسی خاص گروہ سے نہیں ہے اور نہ اس کا میلان کسی ایسی چیز کی طرف ہے جو لوگوں کے یہاں کسی خاص رنگ میں جانی جاتی ہو۔ اور جس کے کچھ خاص لوازم اور تقاضے ہوں، بلکہ اس دعوت کا رُخ خالص دین اور اس کی حقیقی روح کی طرف ہے، اور یہ دعوت چاہتی ہے کہ نقطۂ نظر کی یکسانی اور اتحاد پیدا ہو، تاکہ یہ کوشش زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہوسکے۔ پس، اخوان کی دعوت ہر طرح کی آلایشوں اور غرضوں سے پاک اور صاف ہے، اور یہ حق کے ساتھ ہے جہاں بھی وہ پایا جائے۔ وہ اجماع و اتفاق کو پسند کرتی ہے اور تشدد و انتشار کو ناپسند۔ اور یہی افتراق و اختلاف ہے جس میں اس وقت مسلمان زیادہ مبتلا ہیں۔ پہلے جب کبھی بھی یہ غالب ہوئے ہیں تو صرف باہم ہمدردی اور اتفاق کے ذریعے۔ ان کی آج بھی حالت سُدھر سکتی ہے جس طرح پہلے لوگوں کی حالت سُدھری تھی۔ کیونکہ کوئی وجہ نہیں کہ جس چیز کے ذریعے پہلے لوگ کامیاب ہوئے، اس کے ذریعے بعد کے لوگ کامیاب نہ ہوں۔ یہ ایک معروف حقیقت ہے۔ ہمارا تو اس پر کامل یقین ہے اور ہم دوسروں کو بھی اسی چیز کی طرف بلاتے ہیں۔

اُمت کے فیصلے، اُمت کے مشورے سے

ڈاکٹر محی الدین غازی○

مسلم معاشرے، اسلامی ریاست اور مسلمانوں کی اجتماعیت میں شورائیت کو ضروری مان لینے کے بعد ایک بہت اہم بحث یہ ہوتی ہے، کہ شورائیت کے نتیجے میں اتفاق یا اکثریت سے سامنے آنے والی رائے کو سربراہِ ریاست اور امیر تنظیم کے لیے ماننا ضروری ہے، یا محض اسے سن لینا کافی ہے۔

شوریٰ اور مشورہ محض علامتی؟

مولانا مودودی لکھتے ہیں: ''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام میں مقننہ (اہل الحلّ والعقد) کی صحیح حیثیت کیا ہے؟ کیا وہ محض صدرِ ریاست کی مشیر ہے، جس کے مشوروں کو رد یا قبول کرنے کا صدرِ ریاست کو اختیار ہے؟ یا صدرِ ریاست اُس کی اکثریت یا اُس کے اجماع کے فیصلوں کا پابند ہے؟ اس باب میں قرآن جو کچھ کہتا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اجتماعی معاملات باہمی مشورے سے انجام پانے چاہییں (وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ، الشوریٰ ۴۲:۳۸) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت صدرِ ریاست کے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ (اٰل عمرٰن ۳:۱۵۹) ''اور ان سے معاملات میں مشورہ کرو، پھر (مشورے کے بعد) جب تم عزم کرلو تو اللہ کے بھروسے پر عمل کرو''۔

یہ دونوں آیتیں مشورے کو لازم کرتی ہیں، اور صدر ریاست کو ہدایت کرتی ہیں کہ جب وہ مشورے کے بعد کسی فیصلے پر پہنچ جائے تو اللہ کے بھروسے پر اسے نافذ کردے۔ لیکن اس سوال

○ ڈین فیکلٹی آف قرآن الجامعۃ الاسلامیۃ، کیرالا، بھارت

کا کوئی جواب نہیں دیتیں، جو ہمارے سامنے پیش ہے۔ حدیث میں بھی اس کے متعلق کوئی قطعی حکم مجھے نہیں ملا ہے۔ البتہ خلافتِ راشدہ کے تعامل سے علماے اسلام نے بالعموم یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ نظمِ ریاست کا اصل ذمہ دار صدرِ ریاست ہے، اور وہ اہل حل وعقد سے مشورہ کرنے کا پابند ضرور ہے، مگر اس بات کا پابند نہیں کہ ان کی اکثریت یا ان کی متفقہ راے پر ہی عمل کرے۔ دوسرے الفاظ میں اس کو 'ویٹو' کے اختیارات حاصل ہیں''۔[21]

تاہم، تفہیم القرآن میں مولانا مودودی اس راے سے رجوع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جو مشورہ اہل شوریٰ کے اجماع (اتفاق راے) سے دیا جائے، یا جسے ان کے جمہور (اکثریت) کی تائید حاصل ہو، اسے تسلیم کیا جائے۔ کیونکہ اگر ایک شخص یا ایک ٹولہ سب کی سننے کے بعد اپنی من مانی کرنے کا مختار ہو تو مشاورت بالکل بے معنی ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرمارہا ہے کہ ''ان کے معاملات میں ان سے مشورہ لیا جاتا ہے'' بلکہ یہ فرمارہا ہے کہ ''ان کے معاملات آپس کے مشورے سے چلتے ہیں''۔ اس ارشاد کی تعمیل محض مشورہ لے لینے سے نہیں ہوجاتی، بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ مشاورت میں اجماع یا اکثریت کے ساتھ جو بات طے ہو، اسی کے مطابق معاملات چلیں''۔[22]

اسی طرح ڈاکٹر علی صلابی بعض معاصر علما کا حوالہ دیتے ہوئے پورے شدومد کے ساتھ امیر کو شوریٰ کی راے کا پابند قرار دیتے ہیں۔ وہ ایک طرف اسے فطرت اور عقل وقلب کی آواز بتاتے ہیں اور دوسری طرف دلائل شریعت کا تقاضا بھی قرار دیتے ہیں۔ ان کے بقول شوریٰ کا پابند کرکے ہی امیر کو استبداد (Dictatorship) اور مطلق العنانی سے باز رکھا جاسکے گا۔ اس موقف کی تائید میں وہ حیاتِ رسولؐ کی ان بعض نظیروں کو بھی پیش کرتے ہیں، جب اللہ کے رسولؐ نے لوگوں کی راے سامنے آجانے کے بعد اپنے موقف سے رجوع فرمالیا۔ ڈاکٹر صلابی کا کہنا ہے کہ امیر امت کا ایک فرد ہوتا ہے، اور فرد کی راے کے مقابلے میں امت کی راے کا صحیح تر ہونا بہرحال زیادہ قرین قیاس ہے۔ ایک فرد کی راے میں غلطی کے جس قدر امکانات ہوتے ہیں، ایک بڑے گروہ کی راے میں وہ امکانات بہت کم ہوجاتے ہیں۔ شوریٰ کی راے کو لازمی قرار دینے کا صرف اگر ایک یہی فائدہ حاصل ہوتا ہو کہ اس طرح مطلق العنانی کا دروازہ بند ہوجاتا ہے تو یہ اپنے آپ